اَلۡقَتۡلِ کے معنی، مفہوم اور وسعت

اَلۡقَتۡلِ ۔مادہ ''ق ت ل''۔ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی تذلیل (تحقیر واہانت) کرنے اور مار ڈالنے کے ہیں ۔ جناب راغب نے کہا ہے کہ اس کے معنی ذلیل وحقیر کرنے اور جھکا دینے کے بھی آئے ہیں۔سورۃ توبہ کی آیت ۳۰ میں قَـٰتَلَهُمُ ٱللَّهُ ۚ کے معنی یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ ''اللہ انہیں ذلیل وخوار کرے، ان پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ انہیں تباہ و برباد، غارت کرے''۔ قُتِلَ ٱلۡخَرَّٰصُونَ ﴿١٠﴾ سورۃ الذاریات کی آیت ۱۰ میں بھی ''قتل'' کے معنی یہی لئے جاتے ہیں۔تفسیر ابن کثیر اور تفسیر القرطبی میں اس کے معنی ''لعن'' بھی بیان ہوئے ہیں۔ ''لعن'' کے معنی دھتکار دینا، اپنے سے دور کر دینا ہیں۔ ہم جس پر لعنت کرتے ہیں، جس کی تحقیر واہانت کرتے ہیں اس کا نتیجہ معاشرے سے اس شخص کو دور کرنا ہوتا ہے اور یہ ''قتل'' کی ابتدا ہے کہ زندگی معاشرے میں ہے اور منتہا یہ کہ جان سے مار کر معاشرے سے ہمیشہ کیلئے اس شخص کو دور کر دیا جائے۔ ''قتل'' کے انتہائی معنی کسی کو مار ڈالنا، جان نکال دینا ہیں ہتھیار، زہر، پھانسی یا ضرب سے۔دانستہ یا نادانستہ کسی کی جان لینا قتل کہلاتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کے مکا مارنے سے ایک شخص مر گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا ''یہ شیطان کے عمل میں سے تھا'' (القصص۔۱۵) یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا لیکن اسے قتل ہی کہا گیا:

قَالَ رَبِّ إِنِّى قَتَلۡتُ مِنۡهُمۡ نَفۡسًا فَأَخَافُ أَن يَقۡتُلُونِ ﴿٣٣﴾

''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا ''میرے رب! میں نے ان میں ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔سو ڈرتا ہوں وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے'' (القصص۔۳۳)
غلطی اور خطا سے کسی کے ہاتھوں کوئی قتل ہوسکتا ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ أَن يَقۡتُلَ مُؤۡمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ

''کسی مومن کیلئے ممکن نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے'' (حوالہ النساء۔۹۲)

اس غلطی کا کفارہ اور خون بہا کے بارے میں تفصیلی احکامات دیئے گئے ہیں۔لیکن سوچ سمجھے، دانستہ قتل کے متعلق فرمایا:

وَمَن يَقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَـٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

''اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور وہ اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے'' (النساء۔۹۳)

معاشرے میں انفرادی طور پر کسی شخص کو کسی بھی طریقے سے جان سے مار دینے کو ''قتل'' کہا جاتا ہے۔یہ انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔
معاشرے میں انفرادی طور پر انسان کا قتل کس قدر ناپسندیدہ ہے اس کا اظہار المائدہ کی آیت ۳۲ میں فرمایا:

مِنۡ أَجۡلِ ذَٰلِكَ كَتَبۡنَا عَلَىٰ بَنِىٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفۡسَۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٍ فِى ٱلۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحۡيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۚ

''اس بنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر لازم کیا کہ جس کسی نے کسی جان کو قتل کیا بغیر اس کے کہ وہ جان کا بدلہ ہو یا زمین میں فساد مچانا ہو تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو بچایا گویا اس نے سب انسانوں کو بچالیا'' (حوالہ المائدہ۔۳۲)

آدم کے دو بیٹوں کے واقعہ میں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا اور باقی ایک ہی بچا۔ گویا ایک بھائی نے ساری انسانیت کو قتل کر ڈالا۔اس

نے ساری انسانیت کو بچایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت اور تکریم کو ہر صورت مقدم رکھنے کے لئے لازم قرار دیا ہے کہ اسلامی ریاست قاتل کو تلاش کرے اور اسے سزائے موت دے اور اس میں چھوٹے بڑے، مرد اور عورت، غلام اور آزاد شہری کی کوئی تمیز اور تخصیص نہ رکھے۔ چاہے کوئی ہو قاتل آخر قاتل ہے اور سزائے موت کا مستحق (حوالہ البقرۃ۔۱۷۸)۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے کے دانا و بینا لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ حقیقت بتائی ہے کہ قتل کی سزا قتل مقرر کرنے میں معاشرے کی حیات ہے۔ ''اور (قتل کا) بدلہ (قاتل کے لئے سزائے موت مقرر کر) لینے میں تمہاری زندگی ہے اے دانا و بینا لوگو! تاکہ تم ڈرو (اور انسانی زندگی کی قدر جان سکو)'' (البقرۃ۔۱۷۹)۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر رحمت نچھاور کرتے ہوئے ایک رعایت دی ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء معاف کرنے پر رضامند ہو جائیں تو عمدہ طریقے سے خون بہا ادا کرنے پر قتل (سزائے موت، پھانسی) کی سزا نہ دی جائے۔

قتل اور فساد کے جرم کا مرتکب ہوئے بغیر انفرادی طور پر کسی انسان کو ''سزائے موت دینا، قتل'' کرنا انسانیت کو قتل کر دینے کے مترادف قرار دینے سے اس کے گھناؤنے پن اور انتہائی ناپسندیدہ ہونے کا اظہار ہے لیکن قاتل کیلئے قتل کئے جانے کی سزا مقرر کرنے میں معاشرے کی حیات بھی ہے۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ بظاہر ایک جیسا ہے کہ ایک شخص کی جان جاتی ہے لیکن دونوں صورتوں کے حقیقی نتیجے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور ایک صورت وہ ہوتی ہے جس میں انسان اجتماعی کوشش و کاوش سے ایک دوسرے کو اجتماعی طور پر قتل کرتے ہیں۔ اس ''القتال'' کو جنگ اور جہاد کہتے ہیں۔ جنگ اور جہاد میں انسان دوسروں کی جان لیتا ہے لیکن جان دینے کے جذبے سے سرشار ہو کر ہی میدان جنگ میں اترتا ہے۔ اس لئے معاشرے میں انفرادی ''قتل'' اور میدان جنگ میں دوسروں کو ''قتل'' کرنا کے معنی اور مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ

''تم پر جنگ کرنا فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند، ناگوار ہے''

سورۃ البقرۃ کی اس آیت ۲۱۶ کے اگلے جملے سے كُرْهٌ (ک ر ہ) کے معنی، مفہوم سمجھنے میں کوئی ابہام نہیں رہتا:

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

''اور ممکن ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرو وہ تمہارے لئے 'خیر' ہو''۔

'خیر' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سب کو مرغوب، پسند، فائدہ مند، نفع بخش ہو۔ قرآنِ مجید اپنی لغت خود ترتیب دیتا ہے اور الفاظ کے معنوں کی گہرائی اور وسعت طے کرتا چلا جاتا ہے۔ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ''اور ممکن ہے جس چیز سے تمہیں حب (چاہت، پسندیدگی، محبت) ہو وہ تمہارے لئے شر (نقصان دہ، موجب پریشانی، خیر کی ضد) ہو''۔ سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵

میں حمل کے دوران اور وضع حمل کے وقت ماں جو مشقت اور تکلیف اٹھاتی ہے اس کا احساس دلانے کیلئے فرمایا

حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ مشقت اور تکلیف انسان کیلئے ایک ناپسندیدہ چیز ہے لیکن اس میں پوشیدہ خیر کے احساس کو ماں بننے والی عورت سے کوئی پوچھے۔ جنگ بھی بظاہر مشقت، تکلیف اور ناپسندیدہ ہے لیکن اس میں حیات اور وقار مخفی ہے اگر اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر، اسی کے بتائے ہوئے انداز اور اسی کے بتائے ہوئے مقصد کیلئے لڑی جائے وگرنہ جنگ خون خرابہ، فساد اور انسانی جانوں کا قتل اور مال کا ضیاع ہے۔ اور انفرادی طور پر اپنی جان دینا اور دوسروں کی جان لینا دہشت گردی ہے جنگ اور جہاد نہیں۔ ''خودکش'' حملے کر کے ''دشمنوں'' کی جان لینے کی عادت اور رواج چیونٹیوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن چیونٹیاں بھی یہ اس وقت کرتی ہیں جب دو ''سلطنتوں'' کی ''فوجیں'' جنگ کیلئے صف بندی کر رہی ہوتی ہیں اور یہ ان کا انفرادی کام، فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ ''سلطنت کی ملکہ'' حکم دیتی ہے۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ پر ایمان لانے والوں نے تیرہ سال تک بے انتہا جسمانی، معاشی اور نفسیاتی صعوبتیں برداشت کیں اور جانیں بھی قربان کیں لیکن کسی ایک نے بھی گھات لگا کر ظلم کرنے والوں میں سے کسی کی جان نہیں لی۔ دنیا کے ان سب سے بلند حوصلہ اور عظیم مردوں کو ہمارا سلام ہو۔ یہ ہمیشہ یاد رہے کہ مومن کسی کا دشمن نہیں۔ اگر کوئی مومن کا دشمن ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مومن اس کا دشمن ہے۔ مومن انسانیت کا خیر خواہ ہے۔ مومن کا منتہائے مقصود انسانوں کی اکثریت کو ابلیس کے چنگل سے نکال کر دوزخ کی آگ سے بچانا ہے۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ ''قتل'' کے بنیادی معنی ذلیل کرنے اور مار ڈالنے کے ہیں اور جناب راغب نے کہا ہے کہ اس کے ایک معنی ''ذلیل و حقیر کرنا اور جھکا دینا'' ہیں اور جناب راغب ہی نے ایک عربی محاورے کی رو سے 'قتل' کے معنی 'زچ کرنا' بھی کیئے ہیں۔ ابن فارس اور جناب راغب کے بتائے ہوئے ''قتل'' کے معنی اور مفہوم اس رویئے، روش اور نفسیات پر منطبق ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بنی اسرائیل نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں اپنائے رکھی۔ قرآنِ مجید میں بیان کردہ بنی اسرائیل کے زندگی کے مختلف ادوار میں رویئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و اہانت اور انہیں زچ کرنے کی عادت میں مبتلا رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس بات کا شکوہ بھی کیا تھا:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ

''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا ''اے میری قوم! تم مجھے کیوں ذہنی اذیت دیتے ہو
اس کے باوجود کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں'' (حوالہ الصف ۵)

اذیت جسمانی بھی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ تکلیف دہ اذیت ذہنی ہوتی ہے جو باتوں سے پہنچتی ہے

وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشۡرَكُوٓاْ أَذٗى كَثِيرٗاۚ

''اورتم ضرور ان لوگوں سے جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان سے جو شرک کرتے ہیں بہت دکھ، اذیت پہنچانے والی باتیں سنو گے''

(حوالہ آلِ عمران ۱۸۶)۔ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنی اسرائیل نے اذیت کا پہلو رکھنے والی کوئی بیہودہ بات کہی تھی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوۡاْ مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ ٱللَّهُ مِمَّا قَالُواْۚ

وَكَانَ عِندَ ٱللَّهِ وَجِيهٗا ﴿٦٩﴾

''اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام کے بارے میں ناگوار بات کہہ کر ذہنی طور پر ان) کو ایذا پہنچائی۔ پھر جو بات انہوں نے کہی اللہ نے اس سے موسیٰ (علیہ السلام) کو بری الذمہ قرار دیا۔ اور وہ اللہ کے ہاں معزز، آبرو والا تھا''

(الاحزاب۔۶۹)۔ واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں لفظ وَجِيهًا (عزت والا، معزز) موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کیلئے استعمال کیا گیا ہے جو دونوں بنی اسرائیل کی جانب نبی اور رسول تھے۔ (انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھی گئی کہانیوں، داستانوں اور روایتوں میں تخیل اور گمان سے بیان کردہ لغویات کو پڑھتے ہوئے اس تنبیہ کو ہمیشہ ذہن میں ہم رکھا کریں ''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا''۔ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہودیوں کی کتابوں میں تحقیر و اہانت اور اخلاقی گراوٹ کا پہلو رکھنے والی روایات کی بھرمار ہے جن میں سے بعض کو ہمارے ہاں بھی نقل کر دیا جاتا ہے۔ اگر ہمیں پڑھنا پڑ جائے تو نفی کر دیا کریں اور کتاب ذاتی ہو تو اس پر لکیر پھیر دیں)۔

موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کرنے اور انہیں تنگ، پریشان، زچ کرنے میں کس حد تک بنی اسرائیل جا پہنچتے تھے اس کا اندازہ اور ثبوت سورۃ المائدہ کی آیت ۲۱۔۲۴ اور موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے ہو جاتا ہے: (موسیٰ علیہ السلام نے)

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَآ أَمۡلِكُ إِلَّا نَفۡسِي وَأَخِيۖ فَٱفۡرُقۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلۡفَٰسِقِينَ ﴿٢٥﴾

کہا ''اے میرے رب! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔

پس تو ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان علیحدگی کر دے'' (المائدہ۔۲۵)

موسیٰ اور ھارون علیہم السلام کی زندگی کا یہ آخری واقعہ ہے جو قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو فاسق قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ ان سے علیحدگی کروا دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ اب یہ چالیس سال زمین میں بھٹکتے پھریں گے

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡۛ أَرۡبَعِينَ سَنَةٗۛ يَتِيهُونَ فِي ٱلۡأَرۡضِۚ

اللہ نے کہا ''اچھا! یہ ملک ان پر چالیس سال حرام رہے گا اور زمین میں سر مارتے پھریں گے

فَلَا تَأْسَ عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْفَٰسِقِينَ ٥

سوتو اس سیہ کار قوم پر افسوس نہ کر'' (المائدہ۔۲۶)

فَلَمَّا زَاغُوٓاْ أَزَاغَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ٥

''اس سبب سے کہ جب وہ ٹیڑھے چل پڑے تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔ اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دکھاتا'' (الصف۔۵)

بنی اسرائیل پر سکونت کی محتاجی لیس کرنے کی بیان کردہ وجہ کے معنی اور مفہوم ان کی اس روش اور رویئے سے واضح ہیں جس کی بناء پر موسیٰ اور ھارون علیہم السلام کی زندگی ہی میں بنی اسرائیل پر اول مرتبہ ذلت اور سکونت کی محتاجی لیس کی گئی تھی جب ٱلْأَرْضَ ٱلْمُقَدَّسَةَ کو چالیس سال کیلئے ان پر حرام کر دیا گیا اور وہ زمین میں دھکے کھاتے پھرے۔ دعا کی قبولیت پر موسیٰ اور ھارون علیہم السلام انہیں چھوڑ کر کہاں چلے گئے اور کب اس دار فانی سے رخصت ہوئے اس بارے میں قرآنِ مجید خاموش ہے۔ المائدہ ہی کی آیت ۶۸ میں آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کو بھی بتایا گیا کہ قرآنِ مجید کے نزول سے اہلِ کتاب کی اکثریت سرکشی اور کفر میں آگے بڑھے گی اور انہیں بھی کہا گیا کہ کافر قوم کیلئے افسوس کرنے، فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ شعیب علیہ السلام نے بھی قوم سے جدا ہوتے وقت کہا تھا کہ انہوں نے اس پیغام کو جس کیلئے بھیجے گئے تھے ان تک پہنچا دیا ہے اور انہیں اچھی نصیحت کی ہے اس لئے اس قوم پر کیسے افسوس کریں، افسردہ ہوں جس نے کفر کیا ہے (حوالہ الاعراف۔۹۳)۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا:

يَٰقَوْمِ ٱدْخُلُواْ ٱلْأَرْضَ ٱلْمُقَدَّسَةَ ٱلَّتِى كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ

''اے میری قوم! ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے'' (حوالہ المائدہ۔۲۱)

بنی اسرائیل کے اپنے رسول کی اہانت اور زچ کرنے کے ایک انداز کی جھلک یہ ہے

قَالُواْ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُواْ مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُواْ مِنْهَا فَإِنَّا دَٰخِلُونَ ﴿٢٢﴾

''انہوں نے کہا'' اے موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں اور ہم وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں! اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو جائیں گے'' (المائدہ۔۲۲)

قَالُواْ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّا لَن نَّدۡخُلَهَآ أَبَدٗا مَّا دَامُواْ فِيهَا فَٱذۡهَبۡ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَآ إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ ﴿٢٤﴾

''انہوں نے کہا'' اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں رہتے ہیں ہم وہاں کبھی داخل نہ ہوں گے،

اس لئے آپ اور آپ کا رب جائیں اور ان سے جنگ کریں ہم یہاں بیٹھے ہیں'' (المائدہ۔۲۴)

یہ ہے بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی روش اور رویہ۔ عجب ہے کہ اس کے باوجود بعض نے یہ گمان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر انہوں نے اپنے ہی ستر ہزار آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔

وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلۡمَسۡكَنَةُۚ

''اور ان پر سکونت کی محتاجی لیس کر دی گئی ہے'' (حوالہ آلِ عمران۔۱۱۲، البقرۃ۔۶۱)۔ وجہ؟

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ كَانُواْ يَكۡفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقۡتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيۡرِ ٱلۡحَقِّۗ (حوالہ البقرۃ۔۶۱)

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ كَانُواْ يَكۡفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقۡتُلُونَ ٱلۡأَنۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقّٖۚ (آل عمران۔۱۱۲)

''ایسا اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو بلا مقصد پریشان، زچ (اور تذلیل و اہانت کی کوشش) کرتے تھے''

''ایسا اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو بلا مقصد زچ (اور تذلیل و اہانت کی کوشش) کرتے تھے''

بنی اسرائیل ہی کے متعلق بتایا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ ءَامِنُواْ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ''اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے''

قَالُواْ نُؤۡمِنُ بِمَآ أُنزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُونَ بِمَا وَرَآءَهُۥ

تو کہتے ہیں ''ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا تھا اور اس کے علاوہ کا انکار کرتے ہیں''

موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کیلئے اول توریت نازل فرمائی تھی۔ ان کے قول کے جواب میں یہ پوچھنے کیلئے کہا گیا

قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُونَ أَنۢبِيَآءَ ٱللَّهِ مِن قَبۡلُ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ ۝ (حوالہ البقرۃ۔۹۱)

''اگر تم اپنے پر نازل کردہ پر ایمان رکھنے والے ہو تو اس سے قبل اللہ کے انبیاء کو کیوں پریشان (تذلیل و اہانت کی کوشش) کرتے تھے؟''

پریشان، زچ، تذلیل واہانت کرنے کی کوشش کرنے والوں سے کنارہ کرلیا جاتا ہے، جدائی اختیار کرلی جاتی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی یا ایسے لوگوں پر لعنت کردی جاتی ہے، انہیں دھتکار دیا جاتا ہے۔ حقیقت وہی ہے جس سے ان کا سامنا کرایا گیا۔ بتایا

لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۢ بَنِىٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَۚ

''بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داوٗد اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی ہے''۔

(حوالہ المائدہ۔۷۸) لُعِنَ کا مادہ ''ل ع ن'' ہے۔اس کے معنی ہیں کسی کو ناراضگی کی بناء پر اپنے سے دور کردینا، دھتکار دینا۔اس بات وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلۡمَسۡكَنَةُۚ اور ان پر داوٗد اور عیسیٰ ابن مریم (علیہم السلام) کی زبان سے لعنت کی وجہ ایک ہی ہے ذَٰلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعۡتَدُونَ ٥ ''یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے نکل جاتے تھے''۔(من وعن ایک جیسے الفاظ البقرۃ۔۶۱، آل عمران۔۱۱۲ اور المائدہ۔۷۸)

قرآنِ مجید یہودیوں کی نفسیات یہ بتاتا ہے کہ زمان کے ہر دور میں اس خواہش کے غلام رہے ہیں کہ کائنات اور فطرت ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کے مطابق چلے، ہر چیز ویسے پیش آتی چلی جائے جیسے وہ چاہتے ہیں۔نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ان کے رویئے اور روش میں ان کی اس نفسیات اور عادت کی جھلک واضح دکھائی دیتی ہے۔

وَلَقَدۡ ءَاتَيۡنَا مُوسَى ٱلۡكِتَٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۢ بَعۡدِهِۦ بِٱلرُّسُلِۖ

''اور بے شک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی اور اس کے بعد ایک کے پیچھے دوسرے رسول کو بھیجا۔

اور ہم نے عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم (صدیقہ) کو کھلی اور واضح نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے انہیں قوت دی''۔

أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُولُۢ بِمَا لَا تَهۡوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ ٱسۡتَكۡبَرۡتُمۡ فَفَرِيقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيقًا تَقۡتُلُونَ ٥

اور جب بھی تمہارے پاس رسول آیا جو کوئی ایسی بات، پیغام لایا جو تمہارے دلوں کو نہ بھاتا تھا تو تم (نے استکبار کیا) اکڑ گئے۔

پھر تم نے ان میں سے کسی کی تکذیب کی اور کسی کو پریشان، زچ کیا'' (البقرۃ۔۸۷)

وَقَالُواْ قُلُوبُنَا غُلۡفٌۢ ''اور انہوں نے کہا ''ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں'' (حوالہ البقرۃ۔۸۸)

صاف ظاہر ہے کہ یہ بات ان سے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی جنہیں جھٹلا دیا جائے بلکہ اس فریق سے کہا جائے گا جسے تنگ اور زچ کیا جا رہا ہو لیکن حقیقت میں انکار (کفر) کرنا مقصد ہو۔ بَل لَّعَنَهُمُ ٱللَّهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيلًا مَّا يُؤۡمِنُونَ ٥ ''نہیں! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انکار کے سبب ان پر لعنت کردی ہے۔اس لئے ان میں سے تھوڑے ہی ایمان لائیں گے'' (حوالہ البقرۃ۔۸۸)

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی جانب ایک وقت میں تین تین سو یا تینتالیس انبیاء علیہم السلام کبھی نہیں آئے۔قرآنِ مجید نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ ''جب بھی تمہارے پاس رسول آیا''۔ کیا اب بھی ہم اس بات کی نفی نہیں کر سکتے کہ بنی اسرائیل نے ایک ایک دن میں تین تین سو یا تینتالیس نبیوں کو ایک ہی ساعت میں قتل نہیں کیا تھا؟ بنی اسرائیل کے رویئے اور روش کے متعلق سورۃ المائدہ کی آیت ۷۰ میں فرمایا

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَـٰقَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ

''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ان کی طرف رسول بھیجے تھے۔

كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا۟ وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝

(یہ حقیقت ہے کہ حیات کے ہر دور میں) ''جب بھی ان کے پاس رسول آیا جو کوئی ایسی بات، پیغام لایا جسے ان کے دل نہ چاہتے تھے تو انہوں نے کسی کو جھٹلایا اور کسی کو پریشان، زچ کیا''۔

یہودیوں کی نفسیات اس سے بھی عیاں ہے کہ قرآنِ مجید پر ایمان لانے سے فرار کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جوان پر نازل کیا گیا تھا اور رسولِ کریم ﷺ پر ایمان نہ لانے کا بہانہ یہ تراشتے ہیں:

ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَآ أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ ٱلنَّارُ ۗ

''وہ جو کہتے ہیں'' اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم رسول (کریم ﷺ) کو نہ مانیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس کوئی قربانی لائے جسے آگ کھا جائے''

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِى بِٱلْبَيِّنَـٰتِ وَبِٱلَّذِى قُلْتُمْ

آپ (ﷺ) کہیں ''مجھ سے قبل تمہارے پاس کئی رسول آچکے ہیں واضح نشانیوں کے ساتھ اور جو تم نے ان سے کہا اسے لا چکے ہیں

فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ۝

اگر تم (اپنی کہی ہوئی اس بات میں) سچے ہو تو پھر انہیں پریشان، زچ، (تذلیل و اہانت کی کوشش) کیوں کرتے تھے (جنہوں نے تمہیں وہ لا دیا جو تم نے ان سے کہا)؟'' (آلِ عمران۔۱۸۳)

بات کی لغویت اُس وقت اہم نہیں ہوتی کہ اسے جھوٹ قرار دے دیا جائے جب کہنے والا انسان اس دعوے کے ساتھ کہے کہ یہ اس کا عہد ہے۔اس لئے اسے یہ یاد کرایا اور دلیل دی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچا ہے تو پھر اس بات کی وجہ بیان کرے کہ اس سے قبل ان کی اپنی خواہش کے مطابق ثبوت دینے والوں کو انہوں نے کیوں جھٹلایا اور زچ کیا تھا۔انہوں نے جھوٹ بولا تھا لیکن

جھوٹے کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے ان کے قول اور دعوے کی تردید ان کے اپنے فعل سے بیان کر کے انہیں احساس دلایا کہ وہ اس بات میں سچے نہیں ہیں۔ بنی اسرائیل کی اس روش کو عیاں کیا گیا کہ بات کو تسلیم کرنے سے پہلو تہی کرنے کیلئے زندگی کے ہر دور میں نت نئے بہانے تراشتے رہے ہیں اور قرآنِ مجید کے نزول پر بھی بنی اسرائیل کے رویئے اور روش میں فرق دکھائی نہیں دیا۔ اور آقائے نامدار ﷺ کو واضح فرمایا کہ اس سے قبل بھی یہی کچھ کرتے رہے ہیں۔ فرمایا

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ

''اس لئے اگر آپ (ﷺ) کے بیان کو (اس بہانے سے) جھٹلاتے ہیں تو آپ سے قبل بھی رسولوں کے بیان کو جھٹلاتے رہے ہیں

جَآءُو بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلْمُنِيرِ ۝

جو ان کے پاس واضح نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے'' (آلِ عمران۔۱۸۴)

بنی اسرائیل ہی کے متعلق سورۃ آلِ عمران کی آیت ۲۱، ۱۸۱ اور سورۃ النساء کی آیت ۱۵۵ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَيَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ ٱلَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِٱلْقِسْطِ مِنَ ٱلنَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾

''بیشک اللہ کی آیات کا جو لوگ انکار کرتے ہیں نبیوں کو ناحق ''قتل'' (زچ) کرتے ہیں اور ان لوگوں کو جو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں قتل کرتے ہیں انہیں آپ (ﷺ) دردناک عذاب کی خوشخبری دیں'' (آلِ عمران۔۲۱)

لَّقَدْ سَمِعَ ٱللَّهُ قَوْلَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا۟ وَقَتْلَهُمُ ٱلْأَنۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾

''اللہ نے ان کی بات سن لی جو کہتے ہیں ''اللہ نادار ہے اور ہم دولت مند''۔ ہم لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق ''قتل'' (زچ) کرنا اور (روزِ قیامت) ہم انہیں کہیں گے ''جلانے والے عذاب کا مزا چکھو'' (آلِ عمران۔۱۸۱)

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَٰقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَقَتْلِهِمُ ٱلْأَنۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌۢ ۚ بَلْ طَبَعَ ٱللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾

''آخر کار ان کی عہد شکنی اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، اور انبیاء کو ناحق ''قتل'' (زچ) کیا اور ان کے اس قول کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑے ہیں حالانکہ درحقیقت ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر ٹھپہ لگا دیا ہے اور اس وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں''۔

اگر نبیوں کے حوالے سے کہے گئے ان الفاظ يَقْتُلُونَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ (البقرۃ۔۶۱ آلِ عمران۔۲۱) تَقْتُلُونَ أَنۢبِيَآءَ (البقرۃ۔۹۱)، يَقْتُلُونَ ٱلْأَنۢبِيَآءَ (آلِ عمران۔۱۱۲) قَتْلَهُمُ ٱلْأَنۢبِيَآءَ (آلِ عمران۔۱۸۱) قَتْلِهِمُ ٱلْأَنۢبِيَآءَ (النساء۔۱۵۵) اور سورۃ البقرۃ کی ۸۷، آلِ عمران کی ۱۸۳ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۷۰ میں رسولوں کے متعلق کہے گئے ان الفاظ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ قَتَلْتُمُوهُمْ فَرِيقًا يَقْتُلُونَ کے لغوی معنی ''نبیوں اور رسولوں کا قتل یعنی جان سے مار دیا جانا'' لئے جائیں تو اس بات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کہ یہ مطالعہ کیا جائے کہ قرآنِ مجید ان معنی اور مفہوم کی کیا تصدیق و تائید کرتا ہے یا ان معنی اور مفہوم کی نفی کرتا ہے؟ (یہ آیات نبی اور رسول میں فرق بتانے والوں کے اس خیال کی واضح نفی کرتی ہیں کہ نبی (معاذ اللہ) قتل ہو سکتا ہے لیکن رسول قتل نہیں ہوتا)۔ ہم نبی اور رسول میں فرق نہیں کرتے۔

اللہ رب العزت نے قرآنِ مجید میں بعض نبیوں اور رسولوں کے اسمائے گرامی ہمیں بتائے ہیں اور بعض کے نام نہیں بتائے۔ جن نبیوں اور رسولوں کے اسمائے گرامی بتائے گئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہیں کیا گیا۔ نوٹ کرنے کا اہم نکتہ ہے کہ ان تمام نو مقامات پر ''قتل انبیاء اور رسل'' کی یہ ''فرد جرم'' صرف بنی اسرائیل پر لگائی گئی ہے۔ اور بنی اسرائیل نے صرف ایک نبی اور رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش اور منصوبہ بنایا اور پھر بعد میں ان کو قتل کرنے کا جھوٹا دعویٰ بھی کیا تھا جس کی انتہائی واضح اور پر یقین انداز میں نفی کر دی گئی کہ یہ ان کا گمان اور ظن ہے انہیں یقیناً قتل نہیں کیا گیا۔ (حوالہ النساء۔۱۵۷)

قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل کے علاوہ دنیا میں تمام ادوار میں بسنے والی کسی بھی قوم پر ''قتل انبیاء اور رسل'' کی فرد جرم عائد نہیں کی گئی۔ ان کا جرم ''كَذَّبُوا'' تکذیب کرنا تھا۔ قرآنِ مجید نے دوسری قوموں کے کفار سرداروں کے متعلق بتایا ہے کہ انہوں نے اپنی جانب مبعوث ہونے والے نبیوں اور رسولوں کو دھمکیاں دی تھیں لیکن اپنی چالوں اور دھمکیوں پر عمل کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ نوح علیہ السلام سے قوم نے کہا تھا کہ انہیں سنگسار (رجم) کر دیں گے (حوالہ الشعراء آیت ۱۱۶)۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والد نے سنگسار (رجم) کر دینے کی دھمکی دی تھی (حوالہ سورۃ مریم۔۴۶)۔ انہیں قتل کرنے یا جلا دینے کا بھی کہا گیا تھا (حوالہ العنکبوت۔۲۴)۔ علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ کہ ''عشق آگ میں کودا نہیں تھا'' بلکہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تھا۔ آگ میں کودنا اور کچے گھڑے پر دریا پار کرنا عشق کے مظاہر نہیں بلکہ جذباتیت سے مغلوبیت کا مظہر ہے۔ ان تین رسولوں کو بھی جن کے اسمائے گرامی نہیں بتائے گئے سنگسار (رجم) کئے جانے کی دھمکی کا ذکر سورۃ یٰس کی آیت ۱۸ میں ہے۔ شعیب علیہ السلام کو بھی ان کی قوم نے کہا تھا کہ اگر ان کے قبیلے کا خیال نہ ہوتا تو انہیں سنگسار (رجم) کر دیتے (حوالہ ھود۔۹۱)۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی انہیں قتل کر دینے کی تجویز کو زیر غور

لائے تھے جسے رد کر دیا گیا (سورۃ یوسف۔۹۔۱۰)۔موسیٰ علیہ السلام بچپن میں جب دریا میں بہائے جانے کے بعد فرعون کے محل میں پہنچا دیئے گئے تو زوجہ محترمہ نے اپنے خاوند فرعون سے کہا تھا کہ انہیں قتل نہ کرو۔ پھر جب ایک شخص ان کے مکا مارنے کی وجہ سے مر گیا تھا تو ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنائے جانے کا ذکر ہوا ہے (سورۃ القصص۔۱۹اور۲۰)۔اور پھر جب اللہ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے تو اس وقت بھی فرعون نے کہا تھا کہ ''مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دوں'' (سورۃ غافر آیت ۲۶)۔قرآنِ مجید میں ھارون علیہ السلام کا قول بھی بیان ہوا ہے جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ قوم (بنی اسرائیل) مجھے قتل کرنے کی درپے ہوگئی تھی (الاعراف۔۱۵۰)۔ صالح علیہ السلام اور ان کے اہل وعیال کو بھی نو آدمیوں نے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اللہ نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا اور ان نو آدمیوں اور ان کے لوگوں کا ہلاک کر دیا (حوالہ النمل ۴۹۔۵۱)

آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے متعلق کفار مکہ نے بھی سازش کی تھی کہ انہیں محبوس کر دیا جائے، قتل کر دیا جائے یا شہر بدر کر دیا جائے (حوالہ الانفال۔۳۰)۔سورۃ یوسف کی آیت ۱۱۰ میں بتایا گیا کہ (لوگوں کو مہلت دی جاتی رہی) اس وقت تک جب رسول لوگوں سے ناامید ہو جاتے اور یہ خیال کرتے کہ انہیں جھٹلا دیا گیا ہے تو انہیں ہماری مدد پہنچ جاتی۔سورۃ ابراہیم میں قدیم دنیا میں بسنے والوں لوگوں یعنی قوم نوح (علیہ السلام)، عاد اور ثمود اور ان کے بعد دنیا میں بسنے والے لوگوں کے بارے میں بتایا گیا کہ کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ''ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تمہیں اپنے طریقے پر لے آئیں گے'' یہ نوبت پہنچنے پر

فَأَوْحَىٰٓ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ ٱلظَّـٰلِمِينَ

''اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو وحی فرماتے تھے ''ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ ٱلْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِهِمْ

اور ان کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے'' (حوالہ سورۃ ابراہیم ۱۳۔۱۴)

سورۃ غافر کی آیت ۵ میں یہ حقیقت بتائی ''ان سے پہلے قوم نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے جھٹلایا اور ہر امت (قوم نسل) نے قصد کیا کہ اپنے رسول کو پکڑ لیں اور انہوں نے جھوٹ کی مدد سے جھگڑا کیا کہ حق کو پھسلا دیں پھر ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ پھر میری سزا کیسی رہی!'' اٹل سچائی اور حقیقت یہ ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَآءُوهُم بِٱلْبَيِّنَـٰتِ فَٱنتَقَمْنَا مِنَ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾

''اور ہم نے آپ (ﷺ) سے قبل کئی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے اور وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے اور پھر ان میں سے مجرموں سے ہم نے بدلہ لے لیا۔ اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم تھا'' (الروم۔۴۷)

اللہ رب العزت کا فرمان ہے

كَتَبَ ٱللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا۠ وَرُسُلِيٓۚ إِنَّ ٱللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾

’’اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے تمام رسول غالب آ کر رہیں گے ۔ اللہ قوت والا اور غالب ہے‘‘ (المجادلۃ۔۲۱)

کسی مقتول کو تو ’’غالب‘‘ نہیں کہہ سکتے ۔ یہ فرق واضح ہے

وَمَن يُقَٰتِلۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَيُقۡتَلۡ أَوۡ يَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيهِ أَجۡرًا عَظِيمًا٥

’’پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور قتل ہو جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجر عظیم دیں گے‘‘ (حوالہ النساء۔۷۴)

ایک وقت میں ایک شخص یا تو مقتول ہو سکتا ہے یا پھر غالب ہو سکتا ہے۔ دونوں باتیں بیک وقت نہیں کہہ سکتے۔ نبیوں اور رسولوں کے متعلق قرآنِ مجید کی آیات کے مطالعہ سے غیر مبہم انداز میں واضح ہوا ہے کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء اور رسولوں کو قتل یعنی جان سے نہیں مارا گیا تھا اور وہ زندگی میں ہمیشہ سرخرو ہوئے اور انہیں رجم اور قتل کرنے کی دھمکیاں دینے والے برباد اور دور دفعہ ہوئے۔ نبیوں اور رسولوں نے جہاد (جنگ) میں بھی حصہ لیا

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَٰتَلَ مَعَهُۥ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ

’’اور کتنے ہی نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے مل کر جنگ کی

فَمَا وَهَنُواْ لِمَآ أَصَابَهُمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا ٱسۡتَكَانُواْۗ

پھر جو کچھ انہیں اللہ کی راہ میں پیش آیا اس پر انہوں نے نہ ہمت ہاری، نہ کمزوری دکھائی اور نہ ہار مانی‘‘ (حوالہ آلِ عمران۔۱۴۶)

سورۃ النساء کی آیات ۱۵۵۔۱۵۶ میں بنی اسرائیل کے ان جرائم کو شمار کرنے کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا تھا آیت ۱۵۷۔۱۵۸ میں ان گھناؤنے جرائم کی فہرست ہے جس کی بنا پر ان کی اکثریت کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ ان میں ایک عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا جھوٹا قول ہے۔

وَقَوۡلِهِمۡ إِنَّا قَتَلۡنَا ٱلۡمَسِيحَ عِيسَى ٱبۡنَ مَرۡيَمَ رَسُولَ ٱللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ
وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمۡۚ وَإِنَّ ٱلَّذِينَ ٱخۡتَلَفُواْ فِيهِ لَفِي شَكّٖ مِّنۡهُۚ مَا لَهُم بِهِۦ مِنۡ عِلۡمٍ إِلَّا
ٱتِّبَاعَ ٱلظَّنِّۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينَۢا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ ٱللَّهُ إِلَيۡهِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

''اوران کے اس قول کے سبب سے جس میں انہوں نے کہا'' ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے''۔
حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ ہی وہ انہیں (عیسیٰ علیہ السلام کو) صلیب پر لے کر گئے
بلکہ انہیں اس معاملے میں شبہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور جو لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں
بیشک وہ اس معاملے میں نرے شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان کی پیروی کرتے ہیں۔
انہیں یقیناً قتل نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی جانب رفعتیں عطا فرمائیں۔ اور اللہ قوت و غلبے والا اور حکیم ہے''

بنی اسرائیل نے کہا تھا'' ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے''۔ ایک توجہ اور غور طلب اہم نکتہ یہ ہے کہ ان کے قتل کرنے کے جھوٹے قول کی تردید میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انہیں صلیب پر بھی نہیں لے جایا گیا تھا۔ بنی اسرائیل صلیب پر قتل کو تذلیل کی دلیل سمجھتے اور مانتے تھے اور ایسے شخص کو معزز نہیں گردانتے تھے۔ سلام ہو عیسیٰ علیہ السلام پر۔ پیدائش سے قبل ہی ان کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم صدیقہ کو بتا دیا گیا تھا کہ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ '' دنیا اور آخرت دونوں میں معزز، آبرو والے ہوں گے''۔ جھوٹے قول کی نفی کرنے کے بعد تذلیل کا پہلو رکھنے والی بات کی بھی نفی کر دی گئی کہ وہ صلیب پر بھی نہیں لے جائے گئے تھے۔ اور اس بات سے اختلاف کرنے والوں کے بارے میں یہ بتانے کے بعد کہ اختلاف کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض گمان سے کرتے ہیں اس حقیقت کو پرزور انداز میں ایک بار پھر دہرایا کہ'' انہیں یقیناً قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ اللہ نے اپنی جانب رفعتیں عطا فرمائیں''۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب ذلت و رسوائی کا مفہوم لئے ہوئے تھی اور رفعتیں اس کی ضد ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے۔ بنی اسرائیل کے انکار کرنے والے گروہ نے ان کی عزت و توقیر کرنے کی بجائے اپنے تئیں تذلیل و رسوائی کی کوشش کی تھی۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ اور آلِ عمران کی آیت ۱۱۲ جن میں قتل انبیاء کی بات ہوئی ہے ان میں بھی اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ان دونوں اور سورۃ المائدہ کی آیت ۷۸ کے آخر میں فرمایا ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ جس سے ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی آیات کے انکار کے علاوہ رسولوں کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرتے تھے جس سے واضح ہے کہ اپنے تئیں ان کی تذلیل اور زچ کرنے کے درپے ہوتے تھے۔

قرآنِ مجید اور آئمہ لغت کے لفظ '' قتل '' کے بیان کردہ معنی، انبیاء اور رسولوں کے بارے میں قرآنِ مجید کے بیان کردہ حقائق اور زمان کے ہر دور میں بنی اسرائیل کی روش اور رویئے سے واضح ہے کہ يَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ کے معنی'' نبیوں اور رسولوں کو قتل کرنا، جان سے مارنا'' نہیں بلکہ قرآنِ مجید کے بیان کے مطابق اس کے معنی '' تذلیل و اہانت کی کوشش، زچ کرنا'' کے ہیں۔

جھٹلانے اور زچ کرنے کا مفہوم الگ الگ ہے۔ جسے جھٹلا دیا جائے اسے زچ کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ زچ کرنے کا مفہوم ہے کسی کو ذہنی طور پر پریشان کرنا، اذیت دینا، مضطرب کرنا۔ اس کا ایک انداز یہ ہے کہ کسی بات کو جھٹلائے بغیر ماننے میں پس وپیش کرنے کیلیئے بے سروپا حجتیں کرنا، بیجا، بے تکے سوال اٹھانا، ایک کے بعد دوسرا سوال اٹھا دینا، پے در پے فرمائشیں اور مطالبات کرنا، یہ نہیں وہ کریں، یوں نہیں یوں کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بنی اسرائیل نے مسلسل یہی روش اپنائے رکھی۔ قرآنِ مجید نے بتایا ہے کہ زندگی کے ہر دور میں ان کا یہی وطیرہ رہا کہ رسولوں کے ایک فریق کو جھٹلا دیتے اور دوسرے فریق کو جسے جھٹلاتے نہیں تھے زچ، تنگ کرتے۔ قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل کے حوالے سے جن دوسرے رسول اللہ کا ذکر تفصیل سے بیان ہوا ہے وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بنی اسرائیل کے انکار کرنے والے گروہ نے ان کے خلاف سازشیں کیں اور ان کی تذلیل کی خاطر صلیب پر قتل کروانے کے درپے تھے۔ یوں بنی اسرائیل کی عادات واطوار، روش اور رویئے سے واضح ہے کہ حیات کے ہر دور میں اپنی خواہشوں اور آرزوں کے بھنور میں پھنسے رہ کر نبیوں اور رسولوں کو یا تو جھٹلاتے رہے یا ان کی تذلیل اور زچ، تنگ، پریشان کرنے کے درپے رہے۔

کیا زکریا اور یحییٰ علیہم السلام قتل ہوئے تھے؟
قرآنِ مجید اس تخیل کی نفی کرتا ہے

اس مطالعہ کی ابتدا میں ہم نے پڑھا تھا کہ بعض مفسرین زکریا اور یحییٰ علیہم السلام (باپ بیٹے) کا نام لے کر کہتے ہیں کہ انہیں بنی اسرائیل نے ''شہید'' کر دیا تھا۔ [ایک حوالہ۔ مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن]۔ لیکن قرآنِ مجید طبعی زندگی کے آخری ایام تک سیدنا زکریا علیہ السلام کو زندہ وسلامت دکھاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کو غیب (بیتے زمانے) کی خبروں میں یہ بھی بتایا ہے کہ کئی بزرگ سیدہ مریم صدیقہ کی کفالت، سرپرستی کے خواہش مند تھے لیکن سیدنا زکریا علیہ السلام کو اس مقصد کیلیئے چنا تھا۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا

''پھر اس کے رب نے اسے عمدہ شرف قبولیت سے قبول کیا اور اسے اچھی طرح سے پرورش کیا

اور زکریا (علیہ السلام) کو ان کا سرپرست مقرر کیا'' (حوالہ آل عمران۔ ۳۷)

ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَٰمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾

جھٹلانے اور زچ کرنے کا مفہوم الگ الگ ہے۔ جسے جھٹلا دیا جائے اسے زچ کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ زچ کرنے کا مفہوم ہے کسی کو ذہنی طور پر پریشان کرنا، اذیت دینا، مضطرب کرنا۔ اس کا ایک انداز یہ ہے کہ کسی بات کو جھٹلائے بغیر ماننے میں پس وپیش کرنے کیلئے بے سروپا حجتیں کرنا، بیجا، بے تکے سوال اٹھانا، ایک کے بعد دوسرا سوال اٹھا دینا، پے در پے فرمائشیں اور مطالبات کرنا، یہ نہیں وہ کریں، یوں نہیں یوں کریں۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بنی اسرائیل نے مسلسل یہی روش اپنائے رکھی۔ قرآنِ مجید نے بتایا ہے کہ زندگی کے ہر دور میں ان کا یہی وطیرہ رہا کہ رسولوں کے ایک فریق کو جھٹلا دیتے اور دوسرے فریق کو جسے جھٹلاتے نہیں تھے زچ، تنگ کرتے۔ قرآنِ مجید میں بنی اسرائیل کے حوالے سے جن دوسرے رسول اللہ کا ذکر تفصیل سے بیان ہوا ہے وہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ بنی اسرائیل کے انکار کرنے والے گروہ نے ان کے خلاف سازشیں کیں اور ان کی تذلیل کی خاطر صلیب پر قتل کروانے کے در پے تھے۔ یوں بنی اسرائیل کی عادات واطوار، روش اور رویئے سے واضح ہے کہ حیات کے ہر دور میں اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کے بھنور میں پھنسے رہ کر نبیوں اور رسولوں کو یا تو جھٹلاتے رہے یا ان کی تذلیل اور زچ، تنگ، پریشان کرنے کے در پے رہے۔